شعریاتِ خیبر۔ عصری تناظر

طارق ہاشمی

مگر یہ ہم تھے کہ لائے تھے اُس الاؤ سے آگ
وہاں سے راکھ تو اب جا کے کوئی لے آئے

(احمد حسین مجاہد)

۱

یہ معجزہ کبھی ہو گا یقیں نہ تھا مجھ کو
غزل وسیلہ ہوئی نظمِ ذات کا مجھ کو

اعجازِ شعر کی یہ رونمائی سہل بھی نہیں اور اس کا کسی کو ادراک بھی کم کم ہے ورنہ تو زندگی، اس کی ماہیت کو سمجھنے اور اس میں ترتیب لانے کے خواب دیکھنے والے بڑے بڑے اہلِ دانش نے شاعری کو انتشارِ وجود کا سبب قرار دیا اور ایک فرد کی نجی زندگی سے لے کر معاشرے کی اجتماعی بقا کے لیے شاعری کو زہرِ قاتل سمجھا مگر یہ حقیقت ہے کہ شاعری جب اپنا اعجاز دکھاتی ہے تو انسان کا سماجی وجود نہ صرف نظم و ترتیب سے آشنا ہوتا ہے بلکہ حسن و جمال اُس کی بنیادی قدر بن جاتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں بہت سی شاعری، شعر کے محض خارجی پیرایۂ اظہار کو سامنے رکھ کر کی جارہی ہے اور اس کے داخلی توازن یا تخلیقی عمل کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کم کی جارہی ہے جس کے نتیجے میں ''شعرا'' کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور شاعری کا وجود گھٹ رہا ہے لیکن احمد حسین مجاہد کا سرمایۂ شعر سامنے رکھیں تو ایسا کوئی وہم نہیں پنپتا کہ یہ کہا جائے کہ شاعری مر رہی ہے کہ وہ اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو شعر کی حقیقت، اُس کے منصب اور اُس کی تاثیر سے پوری طرح آگاہ ہے اور اُن قرینوں سے بھی آشنا ہے، جس سے شعر کے محض خارجی پیکر کو مرتب نہیں کیا جاتا بلکہ اُس میں داخلی جمال بھی لایا جاتا ہے۔

آسمانوں سے فرشتہ تو نہیں اترے گا
شعر اتریں گے صحیفہ تو نہیں اترے گا

شعر میں داخلی حسن لانے کے لیے ایک تخلیق کار کو جس کرب سے گزرنا ہوتا ہے اور جو کشٹ کاٹنا پڑتا ہے وہ احمد حسین مجاہد کے اُس قرینے سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو وہ لفظ کے استعمال کے سلسلے میں برتتا ہے مگر اُس نے بعض شعروں میں اُن کیفیات کا بھی استعاراتی پیرایوں میں اظہار کیا ہے جو ایک اعلیٰ سخن کے نفیس اسلوبِ نگارش کے لیے ایک تخلیق کار پر طاری ہوتی ہیں

اک اپسرا ہے اداسی کی خیمہ زن مجھ میں
ہر ایک سانس ہے اُس ماحرہ کا دف سائیں

قفس کی چپ میں جو گھر کا فساد بولتا ہے
مرے وجود میں اک سند باد بولتا ہے

شاعری کے تخلیقی عمل میں ریاضت نیز اُس کے تسلسل اور بقا کے لیے احمد حسین مجاہد کے ہاں ''چراغ'' کا استعارہ ایک خاص معنویت رکھتا ہے۔ چراغ روشنی دیتا ہے مگر اس کی لو کی برقراری ایک نازک معاملہ ہے اور ہوا کا ایک معمولی جھونکا بھی اِسے بجھا سکتا ہے۔ شعر کے تخلیقی عمل کا ادراک بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ شاعر بعض اوقات اس لو کی حفاظت نہیں کر پاتا اور وہ محض شعر کے خارجی وجود ہی پر توجہ مرکوز رکھتا ہے اور اس حقیقت کو نہیں سمجھ پاتا کہ ''دیا'' مٹی کے مضبوط ٹھیکرے کا نام نہیں بلکہ آگ کی نازک لو ہیں۔

احمد حسین مجاہد نے ''چراغ'' کے استعارے کو کئی ایک قرینے عطا کیے ہیں اور بعض شعروں میں تو اِسے ایک آدرشی حیثیت دی ہے۔ اس سے پہلے کہ احمد حسین مجاہد کے چراغ سے متعلق شعر درج کیے جائیں، یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ یہ استعارہ کوئی نیا نہیں ہے۔ قدیم غزل میں بھی شعرا نے اسے برتا ہے اور جدید غزل میں تو اس کی مرغوبیت سب کے سامنے ہے لیکن احمد

حسین مجاہد کے ہاں اس کی معنویت نئی بھی ہے اور منفرد بھی اور کسی لفظ یا استعارے کے وجود کا بھی حقیقی جواز ہوتا ہے کہ اُس کی معنوی پرت ایک نئی تابندگی رکھتی ہو۔

مدت گزر گئی ہے ، اس حال میں کہ میرے
اک ہاتھ میں دیا ہے ، اک ہاتھ ہے دیے پر

اگر چہ یہ مری کوشش کی انتہا بھی نہ تھی
وہاں چراغ جلایا ، جہاں ہوا بھی نہ تھی

زمیں پہ اترا جب انسان تو مرے رب نے
کتاب بعد میں پہلے دیا اتارا تھا

احمد حسین مجاہد کے ہاں چراغ سے وابستہ آگ کا لفظ بھی تخلیقی عمل سے وابستہ نئی معنویت رکھتا ہے۔ ''اوک میں آگ'' اُس کے مجموعہ کلام کا عنوان ہی نہیں اُس کے تخلیقی رجحانات کی ایک ایسی جامع تمثال بھی ہے جسے وسعت دیتے ہوئے اُس نے کئی ایک شعر تخلیق کیے ہیں جن میں آگ کے شعری مفاہیم منفرد معنوی سیاق رکھتے ہیں۔

مگر یہ ہم تھے کہ لائے تھے اُس الاؤ سے آگ
وہاں سے راکھ تو اب کوئی جا کے لے کے آئے

اب اس سے قبل کہ احمد حسین مجاہد کے ہاں شعری موضوعات کا جائزہ لیا جائے ، چند ایسے اشعار سے محظوظ ہوتے ہیں جو اپنے اسلوب میں قطعی طور پر ایک نیا پیرایہ رکھتے ہیں اور اُن کی بار بار قرأت حواس کو مسحور اور ذوق کو صیقل کرتی ہے۔

مجھے اتارا گیا تھا اِک ایسی بستی میں
جو مجھ سے پہلے محبت سے آشنا بھی نہ تھی

میں جسم لیے پھرتا تھا کس زعم سے احمد
لے دے کے زرِ زخم ہی املاک ہی نکلا

ابھری جو ایک چاپ تو سمجھو کہ میں نہیں
سرکا جگہ سے اپنی جو سایہ تو میں گیا

میں عشق کرتا ہوں اعلان کے بغیر میاں
یہ نظم ہوتی ہے عنوان کے بغیر میاں

وقت کے ریاضیاتی تسلسل میں تشکیل و تخریب کا عمل ایک تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ احمد حسین مجاہد نے وقت کے اس تغیراتی عمل کو کئی ایک زاویوں سے دیکھا ہے۔ وہ ایک فرد کے خدوخال کا بھی، وقت کی تبدیلی کے تناظر میں جائزہ لیتا ہے اور تہذیبوں نیز طبقوں کو بھی اس بے رحم عمل سے گزرتا ہوا چشمِ عزت سے دیکھتا ہے۔ اسی سلسلے میں اُس کے ہاں مذہبی شعور ایک خاص حوالے سے جگمگاتا ہے اور وہ قدیم اسطوری روایت و حکایات سے استفادہ کرتے ہوئے عصری طبقاتی مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ اُس کے پہلے مجموعے میں مذہبی طرزِ احساس ایک واضح اسلوب میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور قرآن کریم میں پیش کردہ طبقاتی حقائق کو بڑے سیدھے اسلوب میں پیش کرتا ہے اور بعض اشعار تو کچھ آیاتِ کریمہ کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں مگر بعد ازاں یہ طرزِ فکر ایک خاص تخلیقی رچاؤ کے ساتھ ظاہر ہوا اور اس کے ہاں صوفیانہ جمالیات کا پہلو ابھر کر سامنے آیا۔

یہاں یہ پہلو قابلِ ذکر ہے کہ اُس کے پہلے مجموعے کی ابتدائی غزلوں میں بھی صوفیانہ آہنگ موجود ہے۔ اور عشق نیز جذب و مستی کی کیفیات بھی نظم ہوتی دکھائی دیتی ہیں لیکن اپنی بعض غزلوں میں وہ ایک بھرپور ترقی پسند کے طور پر سامنے آتا ہے۔ میری مراد اُسی ترقی پسندی سے ہے جس کا عکس قرآن کریم کی ان آیات میں واضح ہے جن میں مقتدر طبقوں کو اُن کے انجام سے

دو چار دکھایا گیا ہے۔

احمد حسین مجاہد کے ان اشعار میں اُس کا تصورِ وقت، تصورِ دین اور تصورِ انسان یک جا ہو جاتے ہیں اور وہ کرہ ارض پر آباد انسانوں کو وقت کے اُس وسیع اور تلخ تناظر میں دیکھتے ہیں جسے فراموش کرنے وہ ہر طرح کے ظلم کو بھی فروغ دیتے ہیں اور اپنے انجام سے بھی بے خبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ذیل کے اشعار میں دیکھیے احمد حسین مجاہد قرآنی تمثالوں کے ذریعے انسان کو اُس کا انجام کی تخلیقی رنگ میں دکھاتے ہیں:

قسم ہے عصر کی انسان ہے خسارے میں
ہر ایک رشتے میں اُس کا مفاد بولتا ہے

یوں اڑیں گے کل فضا میں آج کے پربت مزاج
روئی کے گالے ہوں احمد جس طرح دھنکے ہوئے

''اوک میں آگ'' میں وقت کا یہ تصور تو موجود ہے لیکن باطن کے جلال پر شعری اظہار کا حسن غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور وہ اپنے نفس مضمون کو قدرے دھیمے انداز میں رقم کرتا ہے:

وقت کسی کا نہیں دیکھ مرے خوش گماں
تیری طرح تجھے کئی اشکِ سحر اور بھی

''اوک میں آگ'' میں شاعر کا لہجہ مجموعی طور پر بھی قدرے ٹھہرا ہوا اور نرم مزاج ہے۔ اس مجموعے میں شاعر نے بیشتر مضامین کو اپنے مقامی زمینی منظرنامے (Landscape) کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ اس مجموعے میں علامات اور استعارات بھی اس منظرنامے کا حصہ ہیں اور بعض احساسات کو شعری پیکر دینے کے لیے تمثالیں بھی یہیں سے مستعار ہیں۔ تازہ غزلوں کی اس دستاویز میں احمد حسین مجاہد کا شعری ارتقا فکر اور فن ہر دو سطح پر واضح ہے۔ اُس کی انفرادیت تو پہلے

بھی واضح تھی لیکن ایک تازہ اسلوب کی تشکیل کے سلسلے میں یہاں وہ با قاعدہ طور پر الگ راستہ بناتا ہوا نظر آتا ہے۔

پہاڑ پر مجھے رستہ دکھائی دیتا ہے
کئی دنوں سے وہ تنہا دکھائی دیتا ہے

اس شعر کی کثیر معنویت کو اہلِ ذوق خوب سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کسی کی بے اعتنائی کے بعد مائل بہ التفات ہونے کا مضمون بھی بیان کر رہا ہے مگر شاعر نے اپنے تخلیقی عمل کے لیے جو نیا راستہ تراشا ہے، اس کے تناظر میں اپنی انفرادی پہچان کا بھی اظہار ہے۔ اب درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں اور دیکھیں کہ ہزارہ کا کوہستان منظر نامہ شاعر کے لیے کیا کیا تخلیقی اسباب مہیا کر رہا ہے۔

جھٹک کر ڈالتی ہے جب وہ بھیگے بال شانے پر
تو نیچے دور وادی میں کہیں دریا چمکتا ہے

(امیجری)

وہ اس کے عارض و لب، وہ خرام ناز اس کا
گلاب کھلتے ہوئے، کھیت لہلہاتے ہوئے

رومانی احساسات کا ایسا نفیس اظہار اردو غزل کے مجموعی سرمائے میں شاذ ہی ملتا ہے۔ احمد حسین مجاہد نے اس لہجے کی تشکیل کے لیے ریاضت کے ایک طویل عمل سے گزرا ہے۔ اس ریاضت کو اس نے میر کے دیوان میں جوان ہونے سے تعبیر کیا ہے اور اس کے شعروں کو ملاحظہ کریں تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ اس نے میر کے مصرعوں کی گلیوں میں خوب آوارہ گردی کی ہے۔ وہ بعض الفاظ کے احیا کی بھی کوشش کرتا ہے اور الفاظ کی کلاسیکی بنت پر بھی غور کرتا ہے۔

اوک میں آگ لے کر اس شاعر نے اپنے ہاتھ کو کس طرح کفِ چراغ بنایا ہے۔ اس کے لیے وہ تخلیقی سرمایہ صفحہ بہ صفحہ توجہ، ذوق اور ادراک کا تقاضا کرتا ہے۔ جس میں مذکورہ نوعیت کے اشعار منفرد رنگ اظہار کی لو لیے ہوئے ہیں۔ میں مزید صرف ایک شعر درج کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

آپ کی سماعت اور بصیرت کو اس تفصیلی مطالعے دیتا ہوں:

میں چاہتا ہوں اُسے چھو کے دیکھ لوں اک بار
یہ وہم ہے، وہ سراپا ادا بھی وہم نہ ہو